انتظامیہ کی جان یکجہتی ہے، جماعت کا خلیفۂ وقت سے قلبی رشتہ ہے، جلسہ کے مہمانوں اور میزبانوں کو نصائح

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۳ /جولائی ۱۹۹۳ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

جماعت احمدیہ UK کے جلسہ سالانہ میں اب صرف ایک ہفتہ باقی ہے۔ اگرچہ ہم اس جلسہ سالانہ کو ہمیشہ جلسہ سالانہ یوکے کے نام سے ہی یاد کرتے ہیں مگر میری عارضی ہجرت کے بعد سے چونکہ یہی وہ جلسہ ہے جس میں باقاعدہ جماعت کی نمائندگی میں تمام دنیا سے لوگ آ کر شامل ہوتے ہیں اور جس میں خلیفہ وقت کی حاضری ویسی ہی ہوتی ہے جیسے پرانے مرکزی جلسوں میں ہوا کرتی تھی اس لئے عملاً اللہ تعالیٰ نے جماعت .U.K کو یہ سعادت بخشی ہے کہ جلسہ سالانہ مرکزیہ کی نمائندگی میں یہاں ایک جلسہ منعقد ہوتا ہے جو اپنے آداب، اپنے اسلوب، اپنے طریق اور مزاج کے لحاظ سے سب سے زیادہ مرکزی جلسہ سالانہ کے مشابہ ہوتا ہے اور یہاں خدا تعالیٰ کے فضل سے جو انتظامی ڈھانچے دن بدن مستحکم ہوتے چلے جارہے ہیں انہی کے نمونے پکڑ کر تمام دنیا کی جماعتوں میں قادیان کی طرز پر جلسہ سالانہ کے انتظام ہو رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ یہ نظام پھیلتا چلا جا رہا ہے اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے الٰہی ہدایت اور الہام کے مطابق جلسہ سالانہ کی جو بنیاد ڈالی تھی اس میں انتشار کا ایک پہلو یہ دکھائی دیتا ہے کہ وہ ایک جلسہ ایک جلسہ نہیں رہا بلکہ بیس، پچیس، تیس جلسوں میں تقسیم ہو گیا اور وہ وقت دور نہیں کہ ایک سو تیس چونتیس ممالک

میں جو جماعتیں اب تک قائم ہو چکی ہیں ان سب میں انشاء اللہ تعالیٰ اسی طرح مرکزی جلسے کی متابعت میں جلسے ہوا کریں گے لیکن اس کے باوجود ایک فرق ہے اور وہ مرکزی جلسے کی اپنی ایک سعادت اور امتیاز ہے جو اسی کو رہے گا۔ اس کے نمونے ہیں، اس کے ہم شکل جلسے ہیں جو پھیلتے چلے جائیں گے۔ یہ تو ایک انتشار فیض ہے جس کے نمونے ہم دنیا میں دیکھ رہے ہیں اور جو انتشار فیض، اللہ کے فضل کے ساتھ بڑھتا چلا جائے گا اور وسعت اختیار کرتا چلا جائے گا۔ ایک فیض کے انتشار کے بعد پھر ارتکاز ہے یعنی چیزوں کا مرکز کی طرف لوٹ آنا اور اجتماعیت کی ایک عالمی شکل دکھائی دینا۔ وہ ارتکاز فیض اب خدا کے فضل سے مواصلاتی سیاروں کے ذریعہ تمام دنیا کی جماعتوں کو نصیب ہو گیا ہے اور اس جلسہ سالانہ پر یہ ارتکاز بڑی شان کے ساتھ جلوہ گر ہو گا اور ساری دنیا کی احمدی جماعتیں خدا کے فضل سے اس سے استفادہ کریں گی۔

اس ضمن میں ایک نیا اضافہ یہ ہوا ہے کہ ریڈیو کے ذریعہ تمام دنیا میں شارٹ ویو 16۔ میٹر بینڈ پر یہ خطبہ ہر جگہ سنائی دے سکتا ہے۔ آسٹریلیا میں اس سے پہلے شکایت تھی کہ تصویر جو ہے یہ ٹیلی ویژن کے ذریعہ پوری طرح صاف نہیں پہنچتی اور بعض حصوں میں پہنچتی ہو گی بعض میں نہیں پہنچتی تھی لیکن دو تین دن ہوئے مجھے آسٹریلیا سے ایک خط ملا ہے جس میں اس بات پر بہت ہی خوشی کا اظہار کیا گیا ہے کہ ریڈیو کے ذریعہ ہم نے اسی طرح بالکل صاف خطبہ سنا ہے جیسے سامنے بیٹھے سن رہے ہوں۔ تو اب ریڈیو کے ذریعہ جو تعلق پھیل رہا ہے اس نے خلا پر کر دیئے ہیں۔ تصویر ہر جگہ اس لئے نہیں پہنچ سکتی کہ اس کے لئے ڈش انٹینا کی ضرورت ہے، بڑے اہتماموں کی ضرورت ہے، ہر شخص کو ڈش انٹینا کے مرکز تک پہنچنے کی بھی توفیق نہیں مل سکتی، کچھ بیمار ہیں جو گھروں سے نکل نہیں سکتے، کچھ عورتیں اور بچے ہیں جن کے لئے ممکن نہیں ہوتا کہ باہر جا کر کہیں خطبہ سن سکیں یا دیکھ سکیں۔ یہ جو بیچ کے خلا تھے یہ تمام کے تمام خدا کے فضل کے ساتھ خطبات کے ریڈیائی انتشار کے ذریعہ پورے ہو چکے ہیں۔

اس ضمن میں مجھے پاکستان کی ایک جیل سے ایک اسیر راہ مولا کا خط موصول ہوا جس کا دل پر بہت گہرا اثر پڑا۔ انہوں نے لکھا کہ ہم پر اللہ کا بڑا احسان ہوا ہے، اب ہم ریڈیو کے ذریعہ آپ کا خطبہ براہ راست سن رہے ہیں اور سن سکتے ہیں اور اپنے اپنے سیلوں میں، قیدوں میں ایک دوسرے

سے الگ ہوتے ہوئے بھی ہمیں جماعت کے ساتھ ایک عالمی رابطے کا اتنا گہرا اور پیارا احساس ہوا ہے کہ جس نے قید کی سب تکلیفیں بھلا دی ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیواریں اب ہماری راہ میں حائل نہیں ہوسکتیں۔ ہم اسی طرح ہی جماعت کا ایک جزو ہیں جس طرح وہ آزاد احمدی جو دنیا میں پھر رہے ہیں اور اس وساطت سے طبیعت میں جو ایک لذت پیدا ہوئی ہے، جو سرور حاصل ہوا ہے اس کو بیان نہیں کیا جاسکتا تو یہ سارے خدا تعالیٰ کے احسانات ہیں اور وہی توحید کا ہی مضمون ہے جو آج عملی صورت میں جاری وساری ہے۔ ہم عاجز گنہگاروں اور کمزوروں کے سپرد اللہ تعالیٰ نے یہ کام کیا تھا کہ تمام دنیا کی قوموں کو امت واحدہ میں تبدیل کردو۔ ہم پر یہ ذمہ داری ڈالی تھی کہ دنیا سے تمام سعید روحوں کو ایک ہاتھ پر اکٹھا کرو اور وہ ہاتھ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ ہے۔ اس ہاتھ پر اکٹھا کرنے کے لئے ہماری مجبوریاں، ہماری بے کسیاں، ہماری بے بساطی حائل تھیں اور ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ہم میں یہ طاقت ہوگی کہ تمام دنیا کو ایک امت واحدہ میں تبدیل کردیں مگر دیکھتے دیکھتے آسمان سے وہ تقدیریں نازل ہوئی ہیں جنہوں نے اس دور کے خواب کو آج کی ایک حقیقت میں تبدیل کر دیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے اور ان احسانات کا جتنا بھی آپ شعور حاصل کریں گے اتنا زیادہ طبیعت حمد کی طرف مائل ہوگی اور خدا کے حضور سجدہ ریز ہوگی۔ یہ احسان ایسا نہیں کہ ایک دو باتوں اور ایک دو تذکروں میں اس کی تفاصیل بیان ہوسکیں۔ اتنے گہرے اور مستقل اور اتنے وسیع اثرات اس نئے دور میں اس ذریعہ سے جاری ہو چکے ہیں اور ساری دنیا کے احمدی اس شدت سے اس کیفیت کو محسوس کر رہے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا ایک عظیم فضل نازل ہوا ہے جس نے گرتی اور بعض جگہ لڑکھڑاتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیا ہے، مضبوط ہاتھوں میں تھامی گئی ہے، مضبوط رشتوں میں باندھی گئی ہے اور ساری دنیا کی ایک جماعت ہونے کا احساس جس شدت کے ساتھ اس دور میں ابھرا ہے اس کا اس سے پہلے تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

پس میں اس خطبہ کے ذریعہ جو آج پاکستان کی جیلوں میں بھی سنا جارہا ہے خصوصیت کے ساتھ اپنے ان اسیران راہ مولا کو السلام علیکم کہتا ہوں اور مبارک باد دیتا ہوں کہ آپ ہی کی دعائیں ہیں، آپ ہی کی قربانیاں ہیں اور آپ جیسوں کی دعائیں اور آپ جیسوں کی قربانیاں ہیں۔ **ان شہداء کا خون ہے جو رنگ لا رہا ہے، آپ کی آہیں اور سسکیاں ہیں جو ایک عالمی آواز میں تبدیل ہوگئی**

ہیں، ان شہداء کا خون ہے جو ایک منظر بن کر سب دنیا میں ابھر رہا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا بہت ہی احسان ہے، ہم سب آپ قربانی کرنے والوں کے ممنون احسان ہیں کہ جس نے خدا کے فضل اس شان سے کھینچے ہیں اور اس قوت سے آسمان سے یہ فضل نازل ہونے شروع ہوئے ہیں کہ دنیا کی کوئی طاقت اب ان کو نہیں روک سکتی، ان کے بس کی بات نہیں رہی۔

یہ دوست جن کا میں خصوصیت سے ذکر کرنا چاہتا ہوں، رانا نعیم الدین صاحب ہیں، محمد الیاس منیر مربی سلسلہ، محمد حاذق رفیق طاہر، چودھری عبدالقدیر صاحب، چودھری نثار احمد صاحب، ان میں سے پہلے تین تو شادی شدہ ہیں اور بچوں والے ہیں اور آخری دو غیر شادی شدہ ہیں۔ یہ نو سال سے جیل میں ہیں۔ ان کے لئے خصوصیت سے دعائیں کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کی ظاہری مشکل کے دن بھی کاٹ دے جس طرح روحانی لذتوں کے سامان فرمائے ہیں، آزادی کی وہ ظاہری نعمتیں بھی ان کو عطا کرے جس میں ہم تو شریک ہیں مگر یہ شریک نہیں ہیں۔

اس کے بعد جیسا کہ دستور ہے آنے والے جلسے کی ذمہ داریوں سے متعلق منتظمین کو خصوصیت سے اور آنے والے مہمانوں کو بھی اور یہاں خدمت کرنے والے میزبانوں کو بھی مخاطب ہوتا ہوں، ان کی خدمت میں کچھ باتیں عرض کرنی چاہتا ہوں۔ یہ جلسہ جیسا کہ آپ جانتے ہی ہیں، ایک عالمی جلسہ ہے، ایک خاص اعلیٰ مقصد کی خاطر منعقد ہوتا ہے اور بہت سے لوگ بڑی تکلیفیں اٹھا کر بہت اموال کا خرچ کر کے اپنے اوقات صرف کرتے ہوئے اس جلسے کا انتظار کرتے ہیں اور بڑی امنگوں اور شوق سے اس میں شامل ہوتے ہیں۔ ہر آنے والے کے ذہن میں ایک تصویر ہے اور وہ تصویر یہ نہیں ہے کہ ہم دنیا کی لذتیں یا نمائشیں دیکھنے جا رہے ہیں بلکہ اس کے بالکل برعکس یہ تصویر ہے کہ ہم ایسے روحانی اجتماع میں شرکت کے لئے جا رہے ہیں جس کے نتیجہ میں ہمیں باقی رہنے والی عظیم روحانی لذتیں عطا ہوں گی۔ پاک تبدیلیاں ہمارے اندر بھی رونما ہوں گی اور لوگوں میں بھی یہ تبدیلیاں رونما ہوتے ہوئے ہم دیکھیں گے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ جلسہ میں ہمیشہ یہ دونوں باتیں بالکل صداقت کے ساتھ بعینہٖ اسی طرح پوری ہوتی ہیں۔ آنے والے پاک تبدیلیاں ہوتی ہوئی محسوس کرتے ہیں اور محسوس ہونے والی یہ تبدیلیاں ان کے چہروں پر ان کے تبدیل ہونے والے آثار میں ظاہر ہوتی ہیں اور دیکھنے والے محسوس کرتے ہیں کہ کچھ ہو رہا ہے۔ جو آئے تھے۔ یہ وہ نہیں رہے بلکہ

بدل کر جا رہے ہیں اور یہ احساس کسی تعلیم کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک مسلسل مشاہدے کا نتیجہ ہے۔ بچپن سے میں جلسہ سالانہ میں مختلف حیثیتوں سے شریک ہوتا آ رہا ہوں لیکن کبھی ایک دفعہ بھی مجھے یاد نہیں کہ جلسہ سالانہ میں شمولیت سے پہلے اور شمولیت کے بعد کی کیفیت ایک جیسی ہو یا آنے والے مہمانوں میں اور قادیان کے بسنے والوں یا ربوہ کے بسنے والے مقامی لوگوں میں پاک تبدیلیاں پیدا ہوتی ہوئی دکھائی نہ دیں۔ یہ وہ منظر نہیں ہے جو آنکھوں سے چھپا رہے۔ لوگوں کی کیفیات ہیں مگر اجتماعی نظاروں میں تبدیل ہو جایا کرتی ہیں۔ پس اس شان کا جلسہ دنیا کے پردہ پر کہیں اور نہیں منایا جاتا جس شان کا جلسہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوا اور آپ اس کے آداب ہمیں سکھلا گئے۔ اس ضمن میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کچھ تحریرات ہیں جو اس جلسہ سے توقعات کے سلسلہ میں ہیں وہ میں انشاء اللہ جلسہ کے آئندہ خطبہ میں پیش کروں گا۔ اس وقت جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے کچھ عمومی نصیحتیں کرنی چاہتا ہوں جن کا تعلق مہمانوں سے بھی ہے اور میزبانوں سے بھی۔

جہاں تک انتظامیہ کا تعلق ہے، خدا کے فضل سے رفتہ رفتہ ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی اب جلسہ کی انتظامیہ بہت پختہ اور مضبوط اور باسلیقہ ہو چکی ہے۔ اس پہلو سے ان کو کسی توجہ دلانے یا نصیحت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں روزمرہ ان سے رابطہ ہے، جو بات سمجھ میں نہ آئے مجھ سے ہو چھ لیتے ہیں، ہر اہم فیصلے سے پہلے مجھے بات بتا کر اجازت لے لیتے ہیں۔ اس لئے یہ جو مسلسل رابطہ ہے یہی میرے اور ان کے درمیان افہام و تفہیم کا ایک ذریعہ ہے اور ان کو پبلک میں اس طرح خطبات کے ذریعہ کسی نصیحت کی ضرورت نہیں ہے لیکن چونکہ ایسے جلسے سب دنیا میں منعقد ہوتے ہیں اس لئے جلسہ کے ذکر میں اگر انتظامیہ سے متعلق بھی کچھ نہ کچھ باتیں ہو جائیں تو یہ بے فائدہ نہیں ہوں گی کیونکہ اور جلسے منانے والے منتظم ان سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔

انتظامیہ کی جان یک جہتی میں ہے اور انتظامیہ کا سربراہ ایک مرکزی نقطہ ہوتا ہے۔ دنیا کی انتظامیہ میں یہ مرکزی نقطہ گویا دماغ ہے مگر جماعت کی ہر انتظامیہ میں جیسا کہ جماعت کا اپنا حال ہے یہ مرکزی نقطہ دماغ بھی ہوتا ہے اور دل بھی ہوتا ہے۔ انتظامیہ کا اگر اعصابی رشتہ دماغ سے ہو تو ایسی انتظامیہ بسا اوقات کئی قسم کی چپقلشوں کا شکار ہو جاتی ہے، کئی قسم کی دل آزاریوں اور ٹھوکروں کے نتیجہ

میں اس میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اور محض دماغی اعصابی رشتے کسی انتظامیہ کو ایک صالح نظام میں تبدیل نہیں کر سکتے۔اس کے ساتھ قلبی رشتوں کا ہونا بھی ضروری ہے جیسا کہ خلافت کا مضمون آپ خوب سمجھتے ہیں۔ساری جماعت کا خلیفۂ وقت سے صرف ذہنی رشتہ نہیں ایک قلبی رشتہ بھی ہے اور دونوں رشتے بیک وقت مضبوط اور متوازی ہیں اور ہم آہنگ ہو کر ایک رشتے میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

بعینہ یہی نقشہ جماعت احمدیہ کی ہر انتظامیہ میں جاری ہونا ضروری ہے۔امیر سے روزمرہ کے کاموں میں یہ تعلق ہونا چاہئے اور جلسے کی انتظامیہ میں تمام منتظمین کا خواہ وہ بڑے عہدہ پر ہوں یا چھوٹے عہدہ پر ہوں اپنے مرکزی افسر سے ویسا ہی رابطہ ہونا چاہئے۔بعض دفعہ مرکزی افسر کو مجبوراً ڈانٹنا بھی پڑتا ہے۔معمولی تعزیری کارروائیاں بھی کرنی پڑتی ہیں مگر دل کا رشتہ ایسے تعلقات کو سنبھالے رکھتا ہے۔ماں باپ بھی تو ڈانٹتے ہیں،اس کے نتیجہ میں بچے باغی ہو کر منہ پھیر کر دوسری طرف تو نہیں چلے جایا کرتے، گستاخ تو نہیں ہو جاتے لیکن غیر ڈانٹ کر دیکھے تو پھر وہی بے ادب بچے دیکھیں اس کو کیا مزہ چکھاتے ہیں۔استاد کی بات بھی بعض دفعہ اسی لئے نہیں مانتے کہ انتظامی رشتہ ہے قلبی رشتہ نہیں۔

تو خدا تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کو ایک زندہ خاندانی رشتوں میں باندھا ہوا ہے جو ذہن سے بھی تعلق رکھتے ہیں،قلب سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔پس اپنے افسروں سے محض اطاعت کا سلوک نہ کریں بلکہ محبت کا سلوک کریں،ادب کا سلوک کریں اور اگر ہر افسر کے دل میں یہ یقین ہو جائے کہ میرے تمام ماتحتوں کا مجھ سے ذہنی اور قلبی تعلق بہت مضبوط ہے تو ناممکن ہے کہ ایسا افسر ہر وقت ان کی دلداری میں مصروف نہ رہے۔وہ ان کے ناز بھی اٹھاتا ہے اور اگر کبھی سختی کرتا ہے تو سخت مجبوری کی حالت میں اور ایسی صورت میں جس پر سختی کی جاتی ہے اس کا حق ہے فرض ہے بلکہ اس کا مزاج یہ ہونا چاہئے ،اس کی فطرت ثانیہ یہ بنی چاہئے کہ وہ خوشی سے برداشت کرے اور اس بحث میں نہ پڑے کہ میری غلطی اتنی تھی کہ نہیں جتنی بیان کی جاتی ہے اور یاد رکھے کہ غلطی تو ویسے بھی ایک ایسا نازک معاملہ ہے کہ غلطی کرنے والا انسان بسا اوقات اپنی غلطی کا شعور ہی نہیں رکھتا اور اپنے دفاع کا ایسا مادہ انسان میں پایا جاتا ہے کہ غلطی کر کے وہ غلطی دکھائی ہی نہیں دیتی بلکہ اس کے خلاف اگر کوئی نشاندہی کرے تو دل میں بڑا سخت غصہ پیدا ہوتا ہے،طبیعت اس کے خلاف بغاوت کرتی ہے،انسان ضد کرتا ہے کہ اس

میں ہرگز میری غلطی نہیں تھی۔اب غلطی ہو یا نہ ہو اگر مزاج وہی ہو جو میں نے بیان کیا ہے تو انسان بغیر غلطی کے بھی سختی کو پیار اور محبت اور ادب کے ساتھ برداشت کرتا ہے اور ایسی صورت میں اس کو غلطی دکھائی بھی دینے لگتی ہے۔یہ میرا تجربہ ہے وہ لوگ جو یہ تعلق رکھتے ہیں کہ آپ نے کہا ہے تو ٹھیک کہا ہے ہم سے غلطی ہو گئی ان کا یہ تعلق بڑی جلدی ایسے تعلق میں تبدیل ہو جاتا ہے کہ وہ دیکھنے لگ جاتے ہیں اور پھر یہ کہتے ہیں کہ آپ نے ٹھیک توجہ دلائی ہے۔یہ مخفی بت ہمارے دل میں موجود تھا۔اب آپ نے بتایا تو دکھائی دینے لگا۔تو یہ ایک ارتقائی اصلاحی رشتہ ہے جو ترقی پذیر رہتا ہے۔ہمیشہ اس کے نتیجہ میں دونوں طرف اصلاح رہتی ہے۔تو منتظمین جو اس موجودہ جلسہ کی کارروائی کو سنبھال رہے ہیں یا آئندہ دوسری جگہوں پر سنبھالیں گے ان سب کو میری یہی نصیحت ہے کہ اچھے انتظام کا یہ مرکزی نقطہ ہے اس کو خوب سمجھیں اور اس پر مضبوطی سے قائم ہو جائیں جو منتظم ہے اس کا فرض ہے کہ اپنے ماتحتوں سے اس طرح محبت اور پیار کا سلوک کرے جس طرح ماں باپ کرتے ہیں مگر جاہل ماں باپ کی طرح نہیں کہ جو غلطیوں سے بھی صرف نظر کرتے ہیں یہاں تک کہ ایک بچہ بدکنے لگتا ہے، بے راہ رو ہو جاتا ہے، بھٹکنے لگ جاتا ہے۔ایسے ماں باپ کی طرح جن کی محبت کا جوش ان کے اصلاح کے ہاتھ میں روک نہیں بنتا بلکہ اس کو توازن عطا کرتا ہے۔محبت کے جوش اور اصلاح کے ہاتھ میں اگر توازن پیدا ہو جائے تو غلطی کے نتیجہ میں اس کو بے وجہ نظر انداز نہیں کیا جاتا مگر اصلاح کی خاطر چونکہ کارروائی کی جاتی ہے اس لئے اس میں دل کا جوش اور غیظ و غضب شامل نہیں ہوتا۔ایسا ہاتھ اگر تھپڑ بھی مارتا ہے تو وہ تھپڑ پہلے اپنے دل پر لگتا ہے اور اس کی تکلیف بعض دفعہ اس سے بہت زیادہ لمبے عرصہ تک تھپڑ مارنے والے کو رہتی ہے بہ نسبت اس کے جس کو یہ تھپڑ پڑا تھا۔ایسی مائیں بھی ہیں، ایسے باپ بھی ہیں جن کو مجبوراً یہ کارروائی کرنی پڑتی ہے اور بعد میں اس دکھ سے تڑپتے ہیں کہ ہم اپنے بچے کو یہ تکلیف پہنچانے پر مجبور ہو گئے۔زندگی کے نظام کی یہ وہ روح ہے جس سے نظام زندہ ہوتا ہے اور ہمارا تعلق ایک زندہ نظام سے ہے، ایک ایسے زندہ نظام سے ہے جس نے ہزاروں سال تک جاری رہنا ہے بلکہ یہ وہ آخری نظام ہے کیونکہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے بعد پھر اور کوئی نظام دنیا میں جاری نہیں ہوگا۔یہ اسی نظام کے آخرین کا جلوہ ہے جس کے ہم نگران اور خادم بنائے گئے ہیں۔پس لمبی باتوں کی بجائے میں انتظامیہ کو صرف اتنا کہوں گا کہ اس مرکزی روح کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھیں

اور اپنی سوچوں اور اپنے اعمال میں اس کو جاری وساری رکھیں تو باقی سارے تفصیلی جھگڑے آسانی سے طے ہو جاتے ہیں اور انتظام نہایت عمدگی سے جاری ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسے انتظام میں ہمیشہ برکت پڑتی ہے۔

دوسری بات میں جلسے پر آنے والوں سے یہ کہوں گا کہ وہ بھی انتظامی کمزوریوں پر محبت کی نظر ڈالا کریں، بخشش کی نظر ڈالیں اگر چہ اصلاح کی نظر بھی ساتھ رہے۔ اگر اصلاح کی نظر بخشش کی نظر کے سائے میں آگے بڑھتی ہے تو اس میں تلخی نہیں آتی۔ اس میں کاٹنے کا مادہ پیدا نہیں ہوتا، وہ نظر کسی کو چبھتی نہیں ہے لیکن اگر کسی کی نظر میں محبت کا مادہ نہ ہو اور اصلاح کا نہیں بلکہ تنقید کا مادہ ہو اور محبت کے فقدان سے لازماً ہر نظر منفی تنقید میں تبدیل ہو جایا کرتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں اصلاح تو نہیں ہوتی لیکن دل آزاریاں بہت ہوتی ہیں۔ قرآن کریم نے ایسی نظروں کا بھی ذکر فرمایا ہے ایسی زبانوں کا بھی ذکر فرمایا ہے جو محبت پر نہیں بلکہ نفرت پر مبنی ہوتی ہیں اور اس کا نتیجہ سوائے ہلاکت کے اور کچھ بھی نہیں نکلتا۔

تو ہم نے تو جو بھی سوچنا ہے، جو بھی محسوس کرنا ہے، اس کے نتیجہ میں ہمارا جو ردعمل ہونا ہے وہ تمام بنی نوع انسان کی اصلاح کی خاطر ہونا ہے۔ اس لئے اپنے انتظام کو اپنا انتظام سمجھ کر بجائے دوسروں کو شرمندہ کرنے کے اس کی کمزوریوں کی شرمندگی خود محسوس کریں۔ غیر کی نظر سے تنقید کرنے کی بجائے یوں محسوس کریں جیسے آپ اپنے وجود پر تنقید کر رہے ہیں اور پھر اس کی اصلاح میں حصہ ڈالیں اور ادب کے ساتھ، محبت کے ساتھ ان لوگوں کو توجہ دلائیں۔ اس روح کے ساتھ توجہ دلائیں جس کا ذکر حضرت اقدس محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ وسلم نے یوں فرمایا ہے۔ **المومن مراۃ المومن۔** (ابوداؤد کتاب الادب حدیث نمبر: ۴۲۷۲) مومن دوسرے مومن کا شیشہ ہوتا ہے۔ جب بھی کوئی اسے دیکھے خاموش زبان سے سچائی کے ساتھ اس کی کیفیت بیان کر دیتا ہے مگر طعن و تشنیع نہیں ہوتی۔ پس وہ شیشہ جو صاف گو ہو لوگ اس کو توڑتو نہیں دیا کرتے نہ وہ کسی کا دل توڑتا ہے بلکہ لوگوں کو اور زیادہ پیارا ہوتا ہے لیکن وہی شیشہ اگر دوسروں کو عیوب دکھانے لگ جائے تو ایسے شیشے کو تو لوگ جہنم میں پھینک دیں۔ ایک کوڑی کی بھی اس کی قدر نہیں کریں۔ پس مومن ایک دوسرے کا بھائی ہے۔ اس نظر سے تنقید کریں جیسے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے شیشے کی تمثیل سے ہمیں سمجھائی ہے اور اس میں تاخیر نہ کیا

کریں جتنی جلدی کوئی نقص متعلقہ افسر تک پہنچے اتنا ہی بہتر ہے، اتنی جلدی اس کی اصلاح ہوسکتی ہے۔

پہلے ایک دفعہ یہ رجحان پیدا ہو گیا تھا کہ یہاں سے واپس جا کر لوگ نہ صرف انتظامیہ کے بلکہ احباب جماعت U.K کے بھی شکوے شروع کر دیا کرتے تھے اور لمبے لمبے تنقیدی خط آ جایا کرتے تھے۔ وہ باتیں میں ان تک اصلاح کی نیت سے پہنچاتا تھا مگر مجھے اس سے ہمیشہ دو طرح سے تکلیف پہنچتی تھی۔ ایک تو یہ کہ یہ کوئی اچھا کردار نہیں ہے کہ انسان ایک نقص کو دیکھے اور اس کو دل میں پال لے، دور کر سکتا ہو مگر نہ کرے اور باہر جا کر نہ صرف مجھے اطلاع دے کہ وہاں یہ یہ باتیں ہوئیں۔ یہ کوئی جلسہ تھا؟ اس میں یہ خرابیاں تھیں بلکہ مجالس میں ان باتوں کو بیان کرتا پھرے۔ ایسے شخص کی تنقید اسی طرح کی تنقید ہے جیسے بعض زبانوں کا قرآن کریم میں ذکر ملتا ہے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ دلوں کو کاٹے، چرکے لگائیں اور کوئی بھی اس کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ جب کسی خرابی کو دیکھو تو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا فرمان یہ ہے کہ ایمان کا اتنا اظہار تو کرو کہ اس کو ناپسند کرو لیکن یہ اول ایمان کی نشانی نہیں ہے۔ اول ایمان کی نشانی یہ ہے کہ اگر اس کو ہاتھ سے دور کر سکتے ہو تو دور کرو، اگر زبان سے اس کی اصلاح کر سکتے ہو تو کرو (مسلم کتاب الایمان حدیث نمبر: ۸۰) یہ دو باتیں نہ ہو سکیں تو پھر دل میں رکھو پھر پروپیگنڈا کا کوئی حق نہیں، پھر دل کی تکلیف کو دعاؤں میں بے شک بدل دو اس سے بھی فائدہ پہنچتا ہے لیکن یہ کہ اس دل کو ایک کینہ بنالو، اس کے نتیجہ میں منتظمین کو تحقیر کا نشانہ بناؤ اور سمجھو کہ خدمت کرنے والے تو بڑے ہی جاہل اور بے وقوف تھے۔ ہمیں دکھائی دے رہا تھا کہ یوں ہونا چاہئے اور یوں نہیں ہونا چاہئے۔ یہ مخفی تکبر ہیں جو ایسے موقعوں پر ظاہر ہو جایا کرتے ہیں مگر بنیادی طور پر متکبر کا ردعمل یہی ہوا کرتا ہے۔ جماعت احمدیہ تو متکبرین کی جماعت نہیں ہے۔ اس میں تکبر کو کوئی جا نہیں ہے۔ انکسار کے ساتھ، محبت اور خلوص کے ساتھ تنقید اس طرح کریں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ ہاتھ سے دور کر سکیں تو دور کریں۔ بعض جہلا اس کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ مثلاً ایک عورت ہے جو پردہ نہیں کر رہی اس کی چادر زبردستی کھینچ کر اس کے منہ پر ڈال دو یا زبان سے اس کو سختی سے کہا کہ تم کیا کر رہی ہو۔ خبردار! چہرہ چھپاؤ۔ یہ بدتمیزیاں ہیں یہ اس روح کے بالکل منافی اور مخالفانہ بات ہے جو روح حضور اکرم ﷺ کے ارشاد میں ملتی ہے۔ آپؐ مکہ کی گلیوں میں اس طرح تو نہیں چلا کرتے تھے۔ بڑی مکروہات دیکھا کرتے تھے، بہت بری باتوں کو سننا پڑتا تھا۔ یہ

کیسے ممکن ہے کہ آپ دوسروں کو وہ نصیحت کریں جس پر خود عمل پیرا نہ ہوں۔ کب پکڑ پکڑ کر عورتوں کے چہرے ڈھانپا کرتے تھے، کب پکڑ پکڑ کر لوگوں کی شلواریں اونچی کیا کرتے تھے۔ یہ محض جہالت کی باتیں ہیں جو بڑی گستاخی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے فرمان کی طرف منسوب کی جارہی ہیں۔ ہاتھ سے درست کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً ایک گندی نالی ہے۔ چند لوگ کام کر رہے ہیں تو آپ اس کو صاف کریں اور اگر نہیں بھی کر رہے تو صرف برا نہ منائیں۔ اس گند کو اپنے ہاتھ سے اٹھا کر دور کرنے کی کوشش کریں۔ جلسہ کے انتظام ہو رہے ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ وہاں ایک جگہ خدمت کرنے والوں کی ضرورت ہے، خرابی پیدا ہو رہی ہے۔ اگر آپ دوڑ کر اس موقع پر آگے بڑھ کر اس خدمت میں حصہ نہیں لیتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق ایمان کی اعلیٰ حالت پر قائم نہیں ہیں۔ پس وہ خرابیاں مراد ہیں جو معاشرے کی ایسی خرابیاں ہیں جس میں معاشرہ مدد طلب کرتا ہے، جس میں انسانی فطرت مطالبہ کرتی ہے کہ آؤ اور شوق سے حصہ لو۔ یہ وہ مواقع ہیں جن کا اس حدیث سے تعلق ہے اور ہر ایسے موقع پر خدمت میں آگے بڑھنا اور برائیوں اور خرابیوں کو ان معنوں میں اپنے ہاتھ سے دور کرنا کہ جہاں عرف عام میں یہ بات بداخلاقی اور بدتمیزی نہ ہو غیروں کے معاملہ میں دخل اندازی نہ ہو بلکہ معاشرے کا گویا تقاضا ہے کہ میری مدد کرو۔ ایک بیمار اگر سہارے کا محتاج ہے اور دوڑ کر آپ سہارا نہیں دیتے تو آپ اس حدیث کی روح کو نہیں سمجھتے۔ جب دوڑ کر سہارا دیتے ہیں تو پھر یہ وہ مداخلت ہے جو بے جا مداخلت نہیں ہے، انسانی فطرت اس کا تقاضا کرتی ہے۔

پس اس روح کے ساتھ جلسہ سالانہ میں شرکت کرنی چاہئے۔ میں ابھی تک تنقید کرنے والوں کو مخاطب ہوں، اسی گروہ کو جن کا پہلے ذکر کیا تھا کہ وہ باہر بیٹھ کر تنقیدیں کرنے کا تو کوئی حق نہیں رکھتے۔ زیادہ سے زیادہ دل میں برا منانے کا حق ہے۔ اول روح پر کیوں قائم نہیں ہوتے جو کمزوریاں دیکھتے ہیں ان کو دور کرنے میں مدد کیا کریں۔ منتظمین کی خدمت میں حاضر ہوں۔ ان سے کہیں کہ ہم نے یہ بات دیکھی ہے، ہوسکتا ہے آپ کی استطاعت میں نہ ہو۔ انتظامی کمزوری کارکنوں کی کمی کی وجہ سے ہو تو ہم حاضر ہیں ہم سے کام لیں اور خدا کے فضل سے قادیان کے زمانے سے بھی مجھے یہی یاد ہے اور ربوہ میں بھی یہی کہ ہمیشہ جماعت کی

اکثریت اسی روح کے ساتھ خرابیوں کو دور کیا کرتی تھی۔

پھر زبان سے دور کرنا اس روح کے منافی نہیں ہونا چاہئے جو روح آئینے کی روح ہے۔ایک طرف آئینے کی تمثیل ہے وہ بھی تو حضرت اقدس محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے مبارک کلمات ہیں اور ایک طرف زبان سے بدی کو روکنا ہے۔ان دونوں کے درمیان دو صورتیں دکھائی دیتی ہیں۔ایک تو یہ کہ مومن غلطی کر رہا ہے کیونکہ وہاں مومن کو مومن کا بھائی قرار دیا گیا ہے۔ایسی صورت میں اس غلطی کو اسی طرح ادب سے چھپا کر دوسرے کی عزت نفس قائم کرتے ہوئے اسے سمجھانا چاہئے۔دوسری صورت یہ ہے کہ ایک غیر مومن ایک بدی کا شکار ہے تو اسے ایسے انداز سے نصیحت کرنا جس سے نصیحت فائدے کی بجائے نقصان دے دے تو یہ بہت ہی بڑی حماقت ہوگی۔اگر شیشہ ایسے عیوب دکھانے لگے کہ جس کے اوپر دیکھنے والا غصہ کھائے اور نفرت کی نگاہ سے شیشے کو دیکھے تو کسی کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔وہ روح اگر چہ حضرت اقدس محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے خالصۃً مومن اور مومن کے درمیان رشتے کی شکل میں بیان فرمائی ہے مگر مومن کا ایک فیض عام بھی تو ہے۔اس فیض عام کے تابع یہ ہدایت ہے کہ دوسروں کو بھی نصیحت کرو، غیروں کو بھی نصیحت کرو اور وہ اسی طرح کرو جس طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم خود کیا کرتے تھے۔ایک بھی واقعہ ایسا نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے نفرت کی نگاہ سے دیکھا اور تیز زبان سے نصیحت کی ہو۔ساری سیرت کا مطالعہ کرلیں کہیں ادنیٰ سا واقعہ بھی آپ کو دکھائی نہیں دے گا۔ملانوں نے پھر کس طرح تعبیریں کرلیں جس تعبیر کے ایک ایک جزو کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی سیرت کا ایک فعل دھتکار رہا ہے اور رد کر رہا ہے۔سارا کردار اس کے مخالف ہے۔پس جب غیروں کو بھی نصیحت کرو تو اس طرح کرو جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم عزت اور وقار کے ساتھ دوسروں کی عزت نفس کا خیال رکھتے ہوئے حیرت انگیز پاکیزگی کے ساتھ نصیحت فرمایا کرتے تھے۔جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ (الحجر:۹۵) تو اس وقت آپؐ ایک پہاڑی پر چڑھ کر جب قوم سے مخاطب ہوئے تو دیکھیں کہ کتنے پیار کے ساتھ، کتنی نرمی کے ساتھ ان کو رفتہ رفتہ نصیحت کے مضمون کی طرف لائے ہیں۔پھر جب قوم نے برا ردعمل دکھایا تو یہ قوم کا قصور تھا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا نہیں تھا۔پس ایسی نصیحتوں کو اختیار کرنا جن سے لوگ متنفر ہوں

اور دور بھاگیں یہ سنت نہیں ہے یہ مخالفین محمد مصطفی ﷺ کا کردار ہے جسے ہم کسی صورت اپنا نہیں سکتے۔

پس جلسے میں بھی اسی نصیحت کو یاد رکھیں، نصیحت کریں تو سلیقے کے ساتھ اور طریقے کے ساتھ کریں۔ بے پردہ عورتیں بھی دکھائی دیں گی اور ان کو بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں لیکن آپ کو یہ اس رنگ میں ان تک پہنچانے کا کوئی حق نہیں کہ کیا تم نے چہرہ ننگا کیا ہوا ہے، اپنا نقاب سامنے کرو، پھر نے کا یہ کونسا سلیقہ ہے۔ ایسی بدتمیزی سے آپ باتیں کریں گے تو وہ عورتیں اصلاح پذیر ہونے کی بجائے آپ سے ہی نہیں بلکہ بعض صورتوں میں اسلام سے بھی نفرت کرنے لگیں گی۔ یہ کیسی نصیحت ہے جو جنت کی بجائے جہنم میں دھکیل رہی ہے اور پھر اگر اتفاق سے ان کے قریبی سن رہے ہوں اور وہ آپ سے طاقتور ہوں تو یہ نصیحت آپ پر جوتیاں بن کر بھی پڑ سکتی ہے اور وہ جوتیاں جائز ہوں گی کیونکہ آپ کو کسی کی بے عزتی کرنے کا کوئی حق نہیں۔ پس نصیحت کریں تو سلیقے اور عقل اور ادب کے ساتھ کریں اور مناسب طریق پر کریں۔ جہاں تک حق ہے وہاں تک پہنچیں، اس سے آگے قدم نہ بڑھائیں، اس طرح اگر آپ جلسے کے انتظام کو بھی بہتر بنانے کی کوشش کریں گے اور آنے والوں کو ان کے حقوق اور ان کے فرائض یاد کرائیں گے، ادب اور پیار سے نصیحتیں کریں گے تو یہ جلسہ ان مقاصد عالیہ کو حاصل کرنے کا ایک بہت عمدہ ذریعہ بن جائے گا جن مقاصد عالیہ کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی مختلف تحریرات میں پیش فرمایا ہے۔ ان تحریرات کو میں انشاء اللہ اگلے جمعہ میں جو جلسہ کے آغاز پر ہوگا اس وقت آپ کے سامنے یاددہانی کے طور پر پڑھ کر سناؤں گا۔

ان اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے آپ کی نصیحتیں وقف ہونی چاہئیں، ان اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے آپ کی عملی خدمات وقف ہونی چاہئیں اور یاد رکھنا چاہئے کہ دور دور سے صرف اپنے ہی نہیں بلکہ وہ غیر بھی آئیں گے اور کثرت سے آئیں گے جنہوں نے اس نیت سے سفر کیا ہے کہ اگر اپنا بننے کے لائق لوگ ہوئے تو ہم ان کا بن جائیں گے۔ مجھے ابھی سے اطلاعیں آرہی ہیں کہ امریکہ سے بھی لاس اینجلس سے بھی بعض ایسے دوست تشریف لا رہے ہیں اور دور کی اور جماعتوں سے بھی، کینیڈا سے بھی اور افریقہ سے بھی، یورپ سے بھی، دور دور سے یہاں تک کہ فجی آئی لینڈ اور طوالو وغیرہ کی طرف سے بھی جو بحر الکاہل کے جنوب مشرقی علاقوں سے تعلق رکھنے والے جزائر ہیں ان سے بھی بعض غیر احمدی دوست لمبے سفر کر کے محض اس لئے تشریف لا رہے ہیں کہ اب تک ان کو

احمدیت کے متعلق جو بتایا گیا ہے وہ جاذب نظر ہے، جو کچھ سنا ہے یا پڑھا ہے اس سے دل اس طرف مائل ہوا ہے کہ یہ اچھے لوگ دکھائی دیتے ہیں۔ چلیں ہم بھی جا کر دیکھیں کہ کیسے لوگ ہیں اور عملاً ان کی زندگی کیسے صرف ہوتی ہے۔ ان سب کے آنے پر اگر آپ کی طرف سے ان کے لئے ٹھوکر کا کوئی سامان ہو گیا، آپ کے اخلاق میں کوئی کمزوری ہوئی، آپ کے چلنے پھرنے کی اداؤں میں بجائے جاذبیت کے منافرت کی علامتیں ظاہر ہوئیں تو ان سب کا گناہ آپ کے سر بھی ہو گا اگر چہ ٹھوکر کھانے والا خود ذمہ دار ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی غیر کے کردار سے ٹھوکر کھانا بھی ایک گناہ ہے۔ ہر شخص اپنے خدا کو جوابدہ ہے اور اسوہ صرف حضرت اقدس محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کو بنایا گیا ہے اور اس کے بعد وہ اسوہ ہیں جو آنحضور ﷺ کے خلق میں آپ ﷺ کے تابع، آپ ﷺ کے سائے میں چلنے والے لوگ ہیں۔ اس اسوۂ سے تو کسی کو ٹھوکر نہیں لگ سکتی۔ جو اس اسوۂ سے باہر ہے اس سے ٹھوکر کھانا جہالت ہے کیونکہ اس کو اسوۂ پیش کرنے کا حق ہی نہیں۔ پس آنحضورؐ کے اسوہ کے سائے میں رہنے سے دنیا میں کسی کو ٹھوکر نہیں لگ سکتی۔ آپ خصوصیت سے ان تین دنوں میں باہر کی بجائے اس سائے کے اندر آنے کی کوشش کریں تاکہ آپ کی غفلت کی وجہ سے، آپ کی بے احتیاطی کی وجہ سے کوئی سعید روح بے وجہ ہدایت اور روشنی پانے سے محروم نہ رہ جائے۔

اس کے علاوہ ایک ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ فرائض سے بڑھ کر احسان کے میدان میں داخل ہوں۔ یہ تو فرائض کی بات ہے کہ آپ سے کوئی ایسی بات سرزد نہ ہو جس سے کسی کو تکلیف پہنچے جس سے کوئی ٹھوکر کھائے۔ احسان کا معاملہ یہ ہے کہ اپنے حقوق قربان کرتے ہوئے، اپنے آرام قربان کرتے ہوئے حسن واحسان کا ایک ایسا چلتا پھرتا نمونہ بن جائیں، ایک ایسی تصویر بن جائیں جس سے احسان الٹ الٹ کر گرتا ہو۔ جس طرح ماؤں کی نظر سے محبت الٹ الٹ کر اپنے بچوں پر نچھاور ہوتی ہے اس طرح مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مہمانوں پر آپ کا پیار نچھاور ہونے لگے۔ آپ کی آنکھوں سے بہتا ہوا چھلکتا ہوا دکھائی دے، آپ کے اعمال اور کردار سے ظاہر ہو کہ آپ ان لوگوں پر فدا ہیں، ان پر قربان ہیں، ان کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ اس رنگ میں تمام شرکائے جلسہ خواہ وہ انگلستان کے میزبان ہیں یا آنے والے مہمان ہیں، یہ سارے ہی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جلسے کے میزبان بن جائیں گے اور اس میزبانی میں جو لطف ہے وہ اور کسی

میز بانی میں نہیں آ سکتا۔ اس نیت سے، اس خلوص کے ساتھ، اس خاص Consciousness کے ساتھ یعنی زندہ احساس کے ساتھ کہ ہم نے یہ کام کرنا ہے۔ ہم نے پیار اور محبت کے ایسے نمونے دکھائے ہیں کہ لوگ جن کی یادیں لے کر اپنے اپنے وطنوں کو روانہ ہوں اور مدتوں تک وہ یادیں ان کے دلوں میں مہکتی رہیں اور ان کی یادوں کے لئے حسن کے سامان مہیا کرتی رہیں۔ جو شخص اخلاق حسنہ سے حق کو قبول کرتا ہے وہ ہمیشہ خود بھی اخلاق حسنہ کا ہی مظہر رہتا ہے۔ لوگ مختلف تلواروں کے کشتے ہوا کرتے ہیں۔ ہر تلوار اپنا نشان چھوڑ جایا کرتی ہے اس بات کو آپ خوب یاد رکھیں۔ اگر کوئی ایک مولوی کے ذریعہ مسلمان ہوگا تو اس کے اندر بھی مولویت ضرور پائی جائے گی۔ ہر ہتھیار اپنا ایک نقش چھوڑتا ہے اور بعد میں اگر تحقیق کی ضرورت پڑے تو سائنس دان پہچان جاتے ہیں کہ یہ آرے سے کاٹا گیا ہے یا تیز دھار آلے کا شکار ہوا ہے یا چبھنے والی چیز سے مارا گیا ہے یا اور کسی ذریعہ سے مثلاً Conussion یعنی ایسے زخم کا نشانہ بنایا جس میں خون نہیں رستا لیکن ایک جگہ مجتمع ہو جاتا ہے تو آپ بھی ان شکار کرنے والوں میں ہوں جو حسن واحسان کا شکار کھیلنے والے ہیں اور جو محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرح اخلاق کی تلوار سے لوگوں کو ماریں۔

ایسے لوگ جو اخلاق کی تلوار سے مارے جاتے ہیں وہ ہمیشہ اخلاق کی ہی تلوار سے لوگوں پر فتح حاصل کیا کرتے ہیں۔ جو منطق کی تلوار سے مارے جاتے ہیں وہ پھر دنیا میں منطق لے کر ہی پھرتے ہیں اور ان کو کچھ نصیب نہیں ہوتا۔ ہم نے دنیا کے دل فتح کرنے ہیں اور پھر دماغوں کو قابو کرنا ہے۔ فتوحات کے دو ہی راستے ہیں، ایک یہ کہ دماغوں کو قابو کریں اور پھر دلوں کو فتح کرنے کی کوشش کریں۔ ایک رستہ ہے دلوں کو قابو کرنا اور پھر دماغوں کو فتح کرنا، جو عظیم قومی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں جو عظیم روحانی انقلاب برپا ہوتے ہیں وہ منطق کے ذریعہ نہیں ہوا کرتے۔ وہ دلائل کے ذریعہ نہیں ہوا کرتے۔ پہلے دل خدا کے فضل اور احسان کے ساتھ مائل ہوتے ہیں اور قائل ہوتے ہیں اور پھر وہ دل خود اپنے دماغوں پر حاوی ہو جاتے ہیں، اپنے دماغوں کو مجبور کر دیتے ہیں کہ جس فرقے یا مذہب سے تعلق رکھنے پر دلوں نے مجبور کیا ہے اس کو محبت کی آنکھ سے دیکھیں اور سمجھنے کی کوشش کریں ورنہ صرف منطق سے تو یہ فتح ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ منطق کے مقابل پر ایسا دماغ جس میں کوئی میلان نہیں ہے وہ ہمیشہ مدافعت کے ساتھ بات کو سنتا ہے۔ اس نیت کے ساتھ بات کو سنتا ہے کہ میں نے

ہر آنے والے خیال کے رستے میں روکیں کھڑی کرنی ہیں، تالے لگا لینے ہیں ۔ چنانچہ قرآن کریم نے بھی ایسے لوگوں کے دلوں کی کیفیت کا یہ حال بیان کیا ہے کہ اَمۡ عَلٰی قُلُوۡبٍ اَقۡفَالُہَا (محمد: ۲۵)

کیا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں ۔ وہ تالے نفرتوں اور تعصّبات کے تالے ہوتے ہیں اور اگر دماغ کو مخاطب کیا جا رہا ہے تو پیغام جب تک دماغ سے دل تک نہ اتر جائے قبول نہیں ہو گا۔ پس سفر دلوں سے کیوں نہ شروع کریں جو خود اپنے تالے توڑیں گے۔ جن کی برقی رو دماغ کو متاثر کرے گی اور اپنے دل کی بات سننے کے لئے ہر دماغ تیار رہتا ہے بلکہ دل کو دماغ پر ایک فوقیت حاصل ہے۔ جس کے نتیجہ میں بعض دفعہ نقصان بھی ہوتے ہیں مگر اکثر اوقات اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان کے ساتھ اس سے فوائد حاصل کئے جا سکتے ہیں ۔ جتنے بھی دوست احمدی ہوتے ہیں اور مجھ سے ملتے ہیں ۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ کیسے احمدی ہوئے ؟ تو بسا اوقات میں نے یہی جواب سنا ہے ۔ بڑی بھاری اکثریت کا یہ بیان ہوتا ہے کہ ہم فلاں کے حسن اخلاق سے متاثر ہوئے تھے ۔ ہمارے دفتر میں بیسیوں آدمی کام کرتے ہیں ۔ ایک وہ بھی ہے جس کا جماعت احمدیہ سے تعلق ہے۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا ، اس کا رہنا سہنا، اس کی گفتگو کے انداز، اس کے میل جول ، اس کا ایک دوسرے کے ساتھ سلوک بالکل مختلف تھا اور ہم سوچتے تھے کہ یہ کیسا شخص ہے؟ یہ کیا چیز ہے؟ اس کی ذات میں ہم دلچسپی لینے لگے تو دین میں دلچسپی لینا گویا ایک طبعی قدم تھا جو اس کے بعد آنا ہی آنا تھا اور یہ بات جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے بھاری اکثریت پر صادق آتی ہے۔ جن علاقوں میں کثرت سے جماعت پھیل رہی ہے وہاں بھی حقیقت یہ ہے کہ پہلے نیک شہرت نے جماعت کی عمومی تصویر کو دلکش بنا دیا ہے اور بظاہر لگتا ہے کہ مبلغ گئے ہیں، دلیلیں دی ہیں اور ہزاروں لوگ احمدی ہو گئے ہیں ۔ ان مبلغین کو یہ بات بھولنی نہیں چاہئے کہ جماعت کی ایک عمومی بہت ہی حسین تصویر پچاس یا سو سال کی قربانیوں کے نتیجہ میں اس ملک میں ابھری ہے اور مسلسل لوگ اس تصویر کو دیکھتے تھے اور اچھا محسوس کرتے تھے مگر دیگر عوامل ایسے حائل تھے جن کے نتیجہ میں جرأت نہیں ہوتی تھی لیکن دل کے اندر یہ بات موجود تھی کہ یہ اچھے لوگ ہیں ۔ جتنا مرضی ہم ان کو برا کہیں یا سمجھیں، ہیں یہ اچھے لوگ ۔ اس کے نتیجہ میں پھر وہ فطرت آمادہ تھی، مزاج اس کے لئے تیار بیٹھے تھے ۔ تب جب جانے والے گئے اور ان کو نصیحت کی تو ایسے کانوں نے نصیحت سنی جو پہلے ہی یہ قبول کرنے کا میلان رکھتے تھے ۔

کچھ یہ بھی ہے اور کچھ یہ بھی ہے کہ بعض قوموں کو خدا تعالیٰ نے یہ سعادت بخشی ہے کہ جب وہ کوئی سچی بات کہہ رہا ہو جس کو دل سے ایک تائید حاصل ہو چکی ہو اور کہنے والے کا دل اس کی بات کی پشت پناہی کر رہا ہو تو یہ ایک ایسا مضمون ہے جو تفصیل سے بیان تو نہیں کیا جا سکتا لیکن محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ایک نصیحت کرنے والا ہے جس کی بات عقل سے تعلق رکھتی ہوگی لیکن اس میں دل شامل نہیں ہوتا، وہ جذبہ داخل نہیں ہوتا جو اس بات کو ایک قوت بخشتا ہے۔ پس یہ بھی ایک ذریعہ ہے میلان کا لیکن بنیادی بات وہی ہے۔ دل کی بات کو دل پسند کرتا ہے اور جب محسوس کرتا ہے کہ بات دل سے نکلی ہوئی ہے تو اچانک رجحان تبدیل ہو جاتا ہے۔

پس ان رپورٹوں میں جو کثرت سے بہت کامیاب تبلیغوں سے متعلق ملتی ہیں ایک یہ مضمون بھی بار بار دکھائی دیتا ہے کہ فلاں نے ہم سے یہ سلوک کیا اور فلاں سرداروں نے ہمیں دھتکار دیا، رد کیا، مخالفانہ حرکتیں کیں مگر ہمارا دل مانتا ہی نہیں تھا کہ ان کو چھوڑیں۔ خطرات بھی پیش آئے مگر ہم نے بالکل پرواہ نہیں کی۔ ہم نے کہا کہ ہم تو تمہیں ایک سچی بات پہنچانے کے لئے آئے ہیں اور پہنچا کر چھوڑیں گے۔ آخر اچانک ایسی کیفیت پیدا ہوئی کہ وہ لوگ جو مخالفت پر آمادہ تھے، بات سننے کے لئے تیار نہیں تھے اچانک انہوں نے دل و دماغ کے دروازے کھول دیئے۔ صد مرحبا کہا، قبول کیا، خدمتیں کیں اور اپنی گستاخی پر معذرتیں کیں تو معاملات دراصل دل ہی کے ہیں۔ پس دل جیتنے کے لئے جس حسن و احسان کی ضرورت ہے اس کے جلوے اس جلسہ کے میدان میں کثرت سے دکھائیں اور حسن واحسان دکھانے کی بات جب میں کرتا ہوں تو اس میں ایک چھوٹی سی غلطی بھی شامل ہوگئی ہے۔ دراصل حسن و احسان دکھانے کے لئے کیا نہیں جاتا، حسن و احسان انسانی فطرت سے چھلکا کرتا ہے۔ قرآن کریم نے ان مضامین کو لطیف اشاروں کی صورت میں ہمیں سمجھایا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے:

سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (فتح: ۳۰)

اب یاد رکھو وہ سجدے جن کا ذکر چل رہا ہے یہ دنیا سے چھپ کر خدا کے حضور راتوں کو کئے جانے والے سجدے ہیں۔ کوئی دنیا میں ان کو دیکھ نہیں رہا ہوتا۔ کسی کے وجود، اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ کہاں کون خدا کا بندہ اس طرح خدا کے حضور سجدہ ریز ہے لیکن دل کی وہ نیکی جو خدا تعالیٰ

کی کامل اطاعت کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے وہ پھر اندر رک نہیں سکتی۔وہ چہروں سے علامتیں بن کر جھلکنے لگتی ہے، نمایاں روشنی کی صورت میں جگمگانے لگتی ہے۔اسی کی طرف خدا نے اشارہ فرمایا ہے کہ سِيۡمَاهُمۡ فِىۡ وُجُوۡهِهِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ تو آخری بات یہی ہے کہ سجود کے ذریعہ اپنے اندر حسن واحسان پیدا کریں اور جب سجود کی بات کرتا ہوں تو لازماً آخری نصیحت یہی ہے کہ عبادتوں کی طرف خاص توجہ اور خاص انہماک کے ساتھ نظر رکھیں اور اس رنگ میں عبادتیں کریں کہ وہ آپ کے وجود کا ایک فطری حصہ بن چکی ہوں۔کئی قسم کے لوگ وہاں آئیں گے، کئی ایسے ہوں گے جو عبادتوں میں کمزور ہوں گے۔ان کو میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ لوگوں کو دکھانے کے لئے عبادت کریں کیونکہ عبادت تو صرف خدا کو دکھانے کے لئے کی جاتی ہے مگر وہ لوگ جو سچ مچ عبادت سے واقف ہو چکے ہیں، عبادت کے اسرار سے ان کو آشنائی ہے ان کو میں کہتا ہوں کہ ان کے اندر خدا نے حسن واحسان کا مادہ پیدا کر دیا ہے وہ خود بخود ان کے دلوں سے پھوٹ رہا ہوگا۔دعائیں کرتے رہیں اور اپنے ان کمزور ساتھیوں اور بھائیوں بہنوں کو توجہ دلاتے رہیں کہ وہ بھی عبادت کریں، وہ بھی سجدے کریں کیونکہ عبادت اور سجدوں سے نتیجہ میں حقیقت میں مومن کے اندر وہ پاک تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں جو ساری دنیا میں حسن واحسان بن کر پھیلتی ہیں اور دنیا کے قلوب کو فتح کرتی ہیں۔

پس عبادت کی طرف توجہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ بہت سے آنے والے ایسے ہیں جنہوں نے نئی نئی احمدیت قبول کی ہوگی۔عبادت پر لوگوں کو توجہ دلانا کوئی منافقت نہیں ہے، کوئی دکھاوا نہیں ہے، یہ دین کا بنیادی فریضہ ہے۔پس آپ ان کو اس لئے عبادت کی طرف توجہ نہیں دلائیں گے کہ لوگوں کو دکھانے کی خاطر ہی دو دن نمازیں پڑھ لو، میں ہرگز یہ نہیں کہہ رہا۔میں یہ کہہ رہا ہوں کہ ان کو کہو کہ عبادت پر قائم ہوں اگر پہلے نہیں تھے تو آج قائم ہو جاؤ اور ہمیشہ کے لئے قائم رہو۔کم سے کم اتنا تو ہوگا کہ اگر اب تم نے عبادت کا حق ادا کرنا شروع کیا تو کچھ لوگ تمہیں دیکھ کر ٹھوکر نہیں کھائیں گے۔

اس رنگ میں اس حکمت کے ساتھ لوگوں کو سمجھائیں اور صبح نمازوں پر جگانے کا بھی انتظام کریں جس طرح قادیان اور ربوہ میں ہوا کرتا تھا اور بھی کئی جماعتوں میں ہوتا ہوگا۔یہاں اسلام آباد میں بھی جس طرح گزشتہ سال یہ کام شروع کروایا گیا تھا، بچے اور کچھ ساتھ بڑے ان کو لے

کر تہجد کے وقت جلوس کی صورت میں کلمات **لا اله الّا الله محمد رسول الله** کا ورد کرتے ہوئے اور ترنم کے ساتھ درود پڑھتے ہوئے جلسہ گاہ کے اردگرد جو قیام گاہیں ہیں ان کے دورے کریں، ان کا طواف کرتے رہیں یہاں تک کہ اس مترنم اور دل پر گہرا اثر کرنے والی آواز سے لوگ خود بخود اٹھنے لگیں۔ آپ نے اگر کمروں میں گھس کر ان کے کپڑے کھینچ کر اتارے تو یہ عبادت پر قائم کرنے کا کوئی صحیح طریق نہیں۔ آپ متنفر کر دیں گے، بعض لوگ شاید ٹانگیں بھی ماریں لیکن یہ عبادت کا طریق نہیں ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر قرآن کریم میں ملتا ہے وہ ہمیشہ اپنی اولاد کو عبادت کی نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہٖ وسلم کا ذکر قرآن کریم میں ملتا ہے وہ ہمیشہ عبادت کی طرف متوجہ فرمایا کرتے تھے لیکن کبھی ایک دفعہ بھی ایسا واقعہ نہیں ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہٖ وسلم نے اپنے عزیزوں کی چادریں کھینچ کھینچ کر اتاری ہوں، ان کو دھکے دے دے کر بستروں سے گرایا ہو، چارپائیاں الٹائی ہوں کہ اٹھو۔ ہاں یہ ذکر ملتا ہے کہ آپؐ نے جگانے کی کوشش کی، کوئی نہیں جاگ سکا تو دوسرے دن آپ نے شدید غم کا اظہار کیا۔ بہت تکلیف محسوس کی۔ پس اگر آپ عبادت کے ساتھ محبت رکھتے ہیں اور آپ کے کہنے کے باوجود کوئی نہیں سنتا تو آپ کو لازماً تکلیف ہوگی۔ اس تکلیف کو ساتھ ساتھ دعاؤں میں بدلیں گے تو انشاء اللہ آپ کی ساری نصیحتیں کارگر ثابت ہوں گی۔ اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ اس عظیم الشان مقدس روحانی اجتماع کے حقوق ادا کرنے کے قابل بن سکیں اور خدا ہی کی توفیق سے یہ نصیب ہوسکتا ہے۔

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے دو مرحومین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

آج نماز جمعہ کے بعد دو پاکباز خواتین کی نماز جنازہ پڑھائی جائے گی جو خدمت دین میں پیش پیش تھیں یا دعاؤں میں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اور عبادات میں اور لوگوں کی نیک تربیت کرنے میں انہوں نے اپنی زندگی صرف کی۔ ان میں سے ایک ہماری عزیزہ بشریٰ داؤد حوری ہیں جو مکرم ومحترم مرزا عبدالرحیم بیگ صاحب نائب امیر کراچی کی صاحبزادی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اکثر پہلوؤں سے انہوں نے اپنے باپ کے سب گن پوری طرح اپنے وجود میں زندہ رکھنے کی کوشش کی اور بے لوث خدمت جس کے ساتھ دکھاوے کا کوئی عنصر نہیں اور انتھک خدمت جو مسلسل سالہا سال تک رواں دواں رہتی ہے۔ یہ وہ دو خصوصیات ہیں جن میں مکرم مرزا عبدالرحیم بیگ صاحب ایک

نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ دو خصوصیات پوری شان کے ساتھ عزیزہ حوری میں موجود تھیں اور حسنِ بیان کے ملکہ سے خدا نے ایسا نوازا تھا کہ اپنے ہوں یا غیر ہوں جو بھی ان کی تقریریں سنتا تھا وہ ہمیشہ ان سے گہرا اثر لیتا تھا اور ان کی تعریف میں رطب اللسان رہتا تھا۔ میں نے کبھی کراچی کی یا باہر سے آنے والی کسی خاتون سے کبھی ایک لفظ بھی ان کے کردار کے خلاف نہیں سنا۔ محبت کے ساتھ لجنہ کے فرائض سرانجام دینے والی لیکن خدا نے حسن بیان کا جو ملکہ بخشا تھا وہ خصوصیت سے سیرت کے مضمون پر ایسے جلوے دکھاتا تھا کہ ان کی شہرت دور و نزدیک پھیلی ہوئی تھی اور جب بھی سیرت کے مضمون پر زبان کھولتی تھیں تو بعض ایسی متعصّب خواتین بھی جو احمدیت سے دشمنی رکھتی تھیں اگر وہ اس جلسہ پر لوگوں کے کہنے کہلانے پر حاضر ہوگئیں تو ایک ہی تقریر سن کر ان کی کایا پلٹ جایا کرتی تھی۔ وہ کہا کرتی تھیں کہ اس کے بعد ہمیں کوئی حق نہیں کہ ہم جماعت احمدیہ پر یہ الزام لگائیں کہ ان کو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم سے محبت نہیں۔ تحریر کا ملکہ بھی خدا نے عطا فرمایا تھا۔ کئی چھوٹی چھوٹی کتابیں سیرت کے مضمون پر بھی انہوں نے لکھیں۔ ان کا آپریشن ہوا تھا جس کے بعد گھر واپس آ رہی تھیں کہ دل کے دورہ سے وفات ہوگئی۔ اللہ غریق رحمت فرمائے۔ ساری جماعت کراچی سے میں تعزیت کرتا ہوں۔ مکرم مرزا عبدالرحیم بیگ صاحب اور خاندان اور ان کے میاں داؤد اور بچوں سے تو ہے ہی ضرور لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ساری جماعت کراچی تعزیت کی محتاج ہے اور لجنہ اماء اللہ کراچی خصوصیت سے تعزیت کا حق رکھتی ہے۔ سب دنیا کی عالمگیر جماعتوں کی طرف سے میں تعزیت کا یہ پیغام ان تک پہنچاتا ہوں۔ اللہ غریق رحمت فرمائے اور جس سیرت کے بیان پر انہوں نے اپنی زندگی صرف کی، خدا تعالیٰ اس سیرت کے فیض سے ان کے بچوں کو صبر محمدیؐ عطا کرے۔ ان کے خاوند کو صبر محمدیؐ عطا کرے۔ ان کے والد کو اور دوسرے عزیزوں کو (مجھے علم نہیں کہ والدہ زندہ ہیں کہ نہیں، خدا کرے زندہ ہی ہوں) سب کو خدا صبر محمدیؐ عطا فرمائے اور سیرت کا یہ فیض ان کے خاندان کو خصوصیت سے پہنچے۔

دوسری خاتون جن کا میں مختصراً ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ یہ انگلستان کے ہمارے مبلغ نسیم احمد باجوہ صاحب کی والدہ اور چک پنیار کے چودھری حاکم علی صاحب کی صاحبزادی تھیں۔ ان کا نام سلیمہ اہلیہ چودھری محمد شریف صاحب باجوہ مرحوم جو حفاظت خاص کے عملے میں بھی شامل رہے اور

غیر معمولی طور پر حضرت مصلح موعودؓ سے اور بعد میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے گہری محبت کرنے والے تھے۔ ۱۹ جون کو ان کا بھی دل کے حملے سے انتقال ہوا۔ ان کے دو بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں اور ایک بیٹی ہمارے مخلص انگریز احمدی دوست مظفر کلارک سے بیاہی ہوئی ہیں۔ تو ان سب کے لئے بھی میں دعا کی تحریک کرتا ہوں اور ان سب سے بھی میں اس خطبہ میں تعزیت کرتا ہوں۔ نماز جمعہ کے بعد انشاء اللہ ان کی نماز جنازہ پڑھائی جائے گی اور ان کے ساتھ ہی بعض اور احمدی مرحومین کی بھی نماز جنازہ پڑھائی جائے گی جن کا اعلان پہلے کر دیا گیا ہے۔